نظامِ خلافت کو وسیع کرنے کی چند شکلیں

(۵) غرض ایک طرف حضرت ابوبکرؓ نے بغاوتوں اور شورشوں کے دبانے میں نہایت جابکدستی سے کام لیا اور دوسری طرف حالات وزمانہ کی رعایت سے نظامِ خلافت کو وسیع کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی چنانچہ مملکت کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا محکمۂ قضاء کی تنظیم کی حسبِ ضرورت مالی و فوجی نظام کو وسیع کیا۔ تعزیرات وحدود میں روح اور مقصد کو ملحوظ رکھا کہیں سختی کی اور کہیں نرمی سے کام لیا غیر مسلموں کے سماجی تحفظ کا بندوبست کیا اور ہر ایک کے پرسنل معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی بلکہ زبان مذہب اور کلچر سب کو محفوظ رکھا جیسا کہ مفتوحہ ممالک کے ذکر میں ہے:

فھذہ بلاد العنوۃ واقر اھلھا فیھا	یہ تمام ممالک غلبہ سے فتح کئے گئے ہیں اور ان کے باشندے
علی مللھم وشرائعھم [۱]	اپنے اپنے مذہب اور شرائع پر باقی رکھے گئے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:-

فھم احرار فی شھاداتھم ومناکحاتھم	یہ سب لوگ اپنی شہادتوں نکاح کے معاملوں،
ومواریثھم وجمیع احکامھم [۲]	وراثت کے قوانین اور دیگر تمام احکام میں آزاد ہیں

حضرت ابوبکرؓ نے جس طرح مسلم حاجتمندوں کی کفالت حکومت کے ذمہ قرار دی اسی طرح غیر مسلم حاجتمندوں کی کفالت کو بھی حکومت کے ذمہ قرار دیا اور باقاعدہ عہدنامہ میں یہ درج کرا دیا کہ

ایما شیخ ضعف عن العمل	جو (غیر مسلم) بوڑھا ازکار رفتہ ہو جائے یا کسی کو
واصابتہ آفۃ من الآفات اوکان	کوئی آفت پہونچے یا مالداری کے بعد تنگ دست
غنیا فافتقر وصار اھل دینہ	ہو جائے اور اس کے اہلِ مذہب اس کو خیرات
یتصدقون علیہ طرحت جزیتہ	دینے لگیں تو اس کا جزیہ معاف ہو جائے گا، اور
وعیل من بیت مال المسلمین	سرکاری خزانہ سے اس کی اور اس کے اہل وعیال
وعیالہ ما اقام بدار الھجرۃ	کی کفالت کی جائے گی جب تک یہ لوگ مدینہ اور
ودار الاسلام۔ [۳]	دارالاسلام میں رہیں گے۔

---

[۱] کتاب الاموال ص ۱۰۱۔ [۲] ایضاً ص ۱۴۰۔ [۳] کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۴۴۔

عہد نامہ میں یہ بھی درج تھا:

فان طلبوا عونا من المسلمین اعینوا بہ ومؤنة العون من بیت مال المسلمین۔[1]	یہ لوگ اگر مسلمانوں سے کوئی مدد طلب کریں گے تو مدد کی جائے گی اور مدد کے اخراجات سرکاری خزانہ سے ادا ہوں گے۔

اس حسنِ سلوک اور حقوق و قوانین میں عملاً مساویانہ درجہ کا نتیجہ یہ ہوا:

صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین علی اعدائھم (کتاب الخراج لابی یوسف ۱۳۹)	یہ (غیر مسلم) لوگ مسلمانوں کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن ہو گئے اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کے بہترین مددگار ثابت ہوئے۔

ابو بکرؓ کے اقدامات کا صریحی ذکر قرآن و سنت میں نہیں ہے

ابو بکرؓ نے نظم و تنظیم کے سلسلہ میں جتنے اقدامات کئے یا احکام کے موقع و محل متعین کئے اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کی تفصیلات کا ذکر قرآن و سنت میں نہیں ہے لیکن ان کی طرف اشارہ عمارت اور نقشہ دونوں میں موجود ہے۔ دنیا کے کسی "دستور" میں صراحۃ النص سے تمام چیزوں کا ثبوت ضروری ہے اور نہ غیر صریحی ثبوت میں خلاف دستور حکم لگانے کا اصول ہے۔ نہ معلوم کتنی چیزیں کنایہ اشارہ اقتضا اور دلالت سے ثابت ہوتی ہیں اور پھر جب اس سے بھی کام نہیں چلتا ہے تو احکام کی حکمت و علت کی طرف توجہ کرکے بیشمار چیزیں اس سے ثابت کی جاتی ہیں۔ یہ سب دستور کے اندر شمار ہوتی ہیں اور ان میں دستور ہی رہبر و رہنما مانا جاتا ہے

توسیع نہ کرنے میں قرآن و سنت کی خلاف ورزی تھی

رسول اللہؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ جن حالات سے دوچار ہوئے ان میں اگر حالات و زمانہ کی رعایت سے بعض احکام کا اضافہ اور بعض کے موقع و محل کی تعیین نہ کرتے تو بلاشبہ قرآن و سنت کو نظر انداز کرنے والے قرار پاتے لیکن چوں کہ وہ جانتے تھے کہ اگر اس موقع پر توسیع نہ کی گئی تو اسلام کی عالمگیریت پر حرف آئے گا اس بناء پر انھوں نے روح اور مقصد کے پیشِ نظر حسب ضرورت وسعت سے دریغ نہیں کیا اور طریقۂ کار یہ اختیار کیا کہ قرآن و سنت میں حکم نہ ملنے کی صورت میں اہل الرائے صحابۂ کرام سے مشورہ کرتے تھے جیسا کہ:

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف۔ ۵

ان ابا بکر الصدیق کان اذا نزل به	ابوبکرؓ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا جس میں اہل رائے
امر یرید فیه مشاورة اهل الرای	اور اہلِ فقہ سے مشورہ کی ضرورت ہوتی تو وہ مہاجرین
واهل الفقه دعا رجالا من المهاجرین	وانصار کے کچھ لوگوں کو بلاتے مثلاً حضرت عمرؓ
والانصار دعا عمر وعثمان وعلیا	حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن
وعبد الرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل	بن عوف، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ
وابی بن کعب وزید بن ثابت۔[۱]	حضرت زیدؓ بن ثابت۔

اگر مشورہ سے کوئی بات نہ طے ہوتی یا اس کی صورت نہ بن سکتی تو قیاس اور رائے سے کام لے کر توسیعی سلسلہ کو جاری رکھتے تھے۔ مثلاً:

قیاس سے فیصلہ کی چند مثالیں | (۶) ابوبکرؓ نے دادا کو باپ پر قیاس کر کے میراث میں دادا کو باپ جیسا قرار دیا۔[۲]

(۷) اسی طرح "کلالہ" کے بارے میں جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

اقول فیها برائی فان یکن صوابا فمن الله وان یکن خطأ فمنی ومن الشیطان[۳]	اس کے بارے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور غلط ہے تو میری طرف اور شیطان کی طرف سے ہے۔

"کلالہ" وہ ہے جس کے اصل وفرع (باپ و بیٹا) دونوں نہ ہوں، باپ کی حد تک تو بات صاف ہے لیکن دادا کی صورت میں اختلاف کی گنجائش ہے چنانچہ بعض اصحابؓ کی رائے ہے کہ جس شخص کے دادا نہ ہو وہ "کلالہ" کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ لیکن ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ "کلالہ" میں دادا کا نہ ہونا بھی شامل ہے۔ اس اختلاف کا اثر ذیل کے سلسلہ میں ظاہر ہوتا ہے۔

ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے دادا اور بھائی بہن چھوڑے ایسی صورت میں ابوبکرؓ کے نزدیک دادا کے ہوتے ہوئے بھائی بہن کو ورثہ نہ ملے گا۔ جس طرح باپ کی موجودگی میں ان دونوں کو نہیں ملتا ہے۔ کیوں کہ باپ کی طرح دادا بھی اصلِ نسب ہے اور دوسروں کے نزدیک بہن بھائی کو ترکہ سے حصہ ملے گا، کیوں کہ دادا

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم ثانی جزء ثانی، باب اہل العلم والفتویٰ من اصحاب رسول اللہ صلعم۔

[۲] بخاری ج۲ باب میراث الجد۔ [۳] منہاج الاصول باب القیاس فی بیان انہ حجۃ۔

بہمہ وجوہ باپ جیسا نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ابو بکرؓ کے مطابق ہے۔[1]

(۸) یمن کے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد بھی قیاس ہی کی بناء پر تھا۔ جیسا کہ استدلال میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال۔ (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ باب فی فرضیتہا)	خدا کی قسم اس شخص سے ضرور جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی کیوں کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے (جس طرح نماز نفس کا حق ہے)

قیاس و اجتہادِ ابو بکرؓ کی ماموریت کا نہایت اہم فریضہ تھا

حضرت ابو بکرؓ کے مختلف فیصلوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس و اجتہاد اُن کی "ماموریت" کے نہایت اہم فریضہ تھے جن کے اصول و ضوابط کی طرف عملاً اشارہ کر کے اسلام کو زندۂ جاوید بنایا اور حالات و زمانہ کی رعایت کر کے شریعت کو جمود و خمود سے محفوظ رکھا۔

یہ صحیح ہے کہ جن معاملات میں صریح وحی نہ موجود ہوتی ان میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رائے اور اجتہاد سے حکم صادر فرماتے تھے لیکن چونکہ آپ مہبطِ وحی اور حکمتِ الٰہی کے رازداں تھے پھر خطاءِ اجتہادی پر قائم رہنے سے آپ کی حفاظت ہوتی تھی، اس بناء پر دوسروں کے اجتہاد و قیاس کے لئے آپ کا عمل اس قدر سہولتیں نہیں پیدا کرتا ہے جس قدر ابو بکرؓ کا عمل سہولتیں پیدا کرتا ہے، گویا قیاس و اجتہاد کا کام ایسا کام ہے کہ جس کیلئے خصوصیت سے صحابۂ کرامؓ مامور ہوتے ہیں، اور اس کے بغیر اسلام عالمگیر بنتا ہے اور نہ نظامِ حیات کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، اسی بناء پر حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کہتے ہیں:

> اہم مہمات نزدیک حضرتِ صدیقؓ آن بود کہ برائے امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قاعدہ مرتب فرماید تا در مسائل اجتہادیہ بکدام راہ سلوک نمائند و ترتیب ادلۂ شرعیہ بچہ اسلوب عمل آرند الی یومنا ہذا ہمہ مجتہدین بر ہمیں قاعدہ عمل می کنند و وے رضی اللہ عنہ شیخ و استاد جمیع مجتہدین شد[2]

صحابہؓ کی حفاظت اور ان کے قول و فعل سے حسن ظنی لازمی ہے

چوں کہ صحابۂ کرام اس اہم کام میں جمیع مجتہدین کے شیخ و استاد ہوتے ہیں اور وہی راستہ کے نوک پلک درست کر کے رہبر و رہنما بنتے ہیں اس بناء پر ان کی حفاظت ضروری اور ان کے قول و فعل سے حسن ظنی لازمی ہے اگر نادانی سے ان کو قرآن و سنت کا نظر انداز کرنے والا ثابت کیا جائے یا دانائی سے ان کو تحریک کا لیڈر تسلیم کیا جائے اور پھر اسی حیثیت سے ان کی زندگی اور تاریخ کو مرتب کیا جائے تو یہ دین و ملت کے ساتھ دشمنی ہے جو

[1] سراجی احوالِ اخوات۔ [2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۳۱ مآثر جمیلہ صدیق اکبر۔

سود کے نظریات کی تنقیدی تاریخ

از۔ بوم۔ باورک

مترجمہ: مولانا فضل الرحمٰن

ایم اے، ال ال بی (علیگ) لکچرر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

(گذشتہ سے پیوستہ)

باب دوم

سولہویں صدی سے اٹھارھویں صدی تک سود کی مدافعت

تیرھویں صدی: سود کی حرمت کا نقطۂ اوج

سود کے بارہ میں مسیحی فقہی نقطۂ نظر تیرھویں صدی کے دوران بظاہر اپنے نقطۂ اوج پر پہونچ چکا تھا۔ دینی اور دنیوی قانون سازی کے میدانوں میں اس کے اصولوں کو مکمل اقتدار حاصل تھا۔ ۱۳۱۱ء میں وی آنا کی کونسل میں پوپ کلیمنٹ پنجم نے ان سیکولر مجسٹریٹوں کو جو سود کی موافقت میں قوانین منظور کریں یا جو ایسے منظور شدہ قوانین کو تین ماہ کے اندر اندر مسترد نہ کر دیں یہ دھمکی دی کہ انھیں مردود قرار دے کر دینِ مسیحی کے حقوق سے محروم کر دیا جائے گا۔ مسیحی فقہ کی بنیاد پر بنائے ہوئے قوانین نے نہ صرف سود کی صاف اور صریح شکلوں کو ناجائز بتایا بلکہ فقیہانہ موشگافیوں کے ذریعے اس طرح کے انتظامات بھی کر دیئے کہ اگر اس تحریم سے کسی بہانے کی آڑ لے کر بچنے کی کوشش کی جائے تو اس پر سزا بھی دی جا سکے، آخر میں تو یہ ہوا کہ صرف قانون سازی ہی نے نہیں بلکہ لٹریچر نے بھی مسیحی فقہ کے اقتدار کو تسلیم کر لیا اور صدیوں تک حرمت کے قانون کے خلاف کسی نے سانس تک نہ لیا۔

عملی زندگی کی مخالفت۔ حرمت سے بلاواسطہ مستثنیات اور اس سے بچنے کے حیلے، ہرجانہ یا معاوضہ	صرف ایک مخالف ایسا ضرور تھا جسے مسیحی اصول کبھی پورے طور پر مغلوب نہ کرسکا[۱] اور وہ تھے لوگوں کے

معاشی رسم ورواج - ارضی اور سماوی دونوں قسم کی سزاؤں کے خطرے کے باوجود سود کا لین دین جاری رہا۔ کبھی تو کھلم کھلا اور کبھی ان مختلف قسم کی تدبیروں کے پردے میں جنھیں تجارت پیشہ طبقوں کی طباعی اور ذہانت نے ایجاد کرلیا تھا اور جن کے ذریعے وہ ساری فقیہانہ موشگافیوں اور دقیقہ رسی کے باوجود تحریمی قوانین کے جال سے نکل نکل جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ملک معاشی اعتبار سے جتنا پھلتا پھولتا اتنا ہی اس حاکمانہ اقتدار رکھنے والے نظریئے کے خلاف رسم ورواج کا ردِ عمل شدید تر ہوتا چلا جاتا۔

اس کشمکش میں جیت سخت جان فریق کی ہوئی اور یہ وہی فریق تھا جس کا وجود حرمت کی وجہ سے خطرے میں پڑ گیا تھا۔

اس کے اوّلین نتائج میں سے ایک کا ظہور تو اسی وقت شروع ہوچکا تھا جب کہ مسیحی اصول بظاہر اپنے اقتدار کے پورے عروج پر تھا - ظاہری شان وشوکت سے عاری نظر آنے کے باوجود یہ نتیجہ حقیقتاً بہت اہم تھا۔ تجارتی دنیا اس قابل تو نہ تھی کہ حرمت کے اصول کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ کردیتی تاہم اس نے اس اصول کے مکمل اور سخت قانونی نفاذ کی راہ میں روڑے اٹکانے اور ایسے متعدد مستثنیات قائم کرنے میں ضرور کامیابی حاصل کرلی جن میں سے بعض بالواسطہ اور بعض بلاواسطہ تھے۔

ذیل کی چند صورتیں بلاواسطہ مستثنیات میں شمار کی جاسکتی ہیں: مذہبی لوگوں (MONS DE PIETE) کو مخصوص رعایات، بعض دوسری قسم کے بینکوں کے وجود کو برداشت کرلینا؛ یہودیوں کے بیاج لینے کے

[۱] اس قسم کے واقعات کو مذہب کی شکست سے تعبیر کرنے کا رجحان عام سا ہوچلا ہے۔ یہ سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مذہب کو اس طرح کے سماجی معاملات سے علیحدہ رہنا اور رکھنا چاہیے۔ یہ نتیجہ ہے اس حقیقت کو نہ سمجھ سکنے کا کہ سماجی میدان میں مذہب کا مقصود یہ ہے کہ شر کی طاقت کو مغلوب اور خیر کو غالب کردیا جائے۔ یہ کام صرف قانون یا محض اخلاقی سفارشوں سے نہیں ہوتا۔ قلب وروح کی اصلاح اور علاً اس مقصد کے حصول کا اصل الاصول ہے اور عدل واحسان پر مبنی قانونی معاشی اور سماجی اداروں کا قیام اور ابقاء اس مقصد کے تکمیلی حصول کا ذریعہ۔ دونوں مل کر ہی مذہب کے سماجی مقصود کو حاصل کرسکتے ہیں۔

رسم ورواج کو بہت بڑی حد تک روا رکھنا ـــ یہ رواداری کسی کسی جگہ کم از کم دنیوی قانون سازی کے ذریعے رسمی قانونی اجازت تک وسیع ہو جاتی تھی۔

بالواسطہ مستثنیات کی صورتیں یہ تھیں: سالیانوں (ANNUITIES) کی خریداری، قرض دی ہوئی رقم کے عوض زمین کو رہن رکھنا، ہنڈیوں کا استعمال، شراکتی انتظامات، اور سب سے بڑھ کر قرضدار سے ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں معاوضے (INTERESSE) کے طور پر ایک بدل کے وصول کرنے کے امکانات، اس کے علاوہ قرض خواہ کو یہ حق حاصل ہوتا تھا کہ ہرجانے (INTERESSE) کی شکل میں معاوضے کا دعوی دائر کر سکے لیکن یہ صرف اسی وقت ہو سکتا تھا۔ جب کہ قرض دار نے اپنے معاہدے کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مجرمانہ غفلت برتی ہو۔ یہ بات کہ ہرجانہ ملے گا یا نہیں اور اگر ملے گا تو کتنا، بہر حال عدالت کے ذریعے طے کرانا پڑتا تھا۔ لیکن اس بارے میں ایک قدم مزید اٹھایا گیا اور معاہدے کی عبارت میں دو فقروں کا اضافہ باوجود مسیحی فقہا کی سخت مخالفت کے کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک فقرے کی رو سے قرض لینے والے کو پہلے سے اس بات پر رضامندی ظاہر کرنا پڑتی تھی کہ قرض خواہ قرض دار کی مجرمانہ غفلت کی توثیق کرانے پر مجبور نہ سمجھا جائے گا۔ اور دوسرے کے ذریعے ہرجانے کی ایک متعین شرح پہلے سے باہم طے ہو جاتی تھی۔ عملی نقطۂ نظر سے قرض نام کو تو بغیر سود کے دیا جاتا تھا لیکن حقیقت واقعہ یہ تھی کہ ہرجانے اور معاوضے (INTERESSE) کے نام سے قرض خواہ قرض کی پوری مدت کے دوران پابندی سے ایک مقررہ فی صد قرض دار سے وصول کرتا رہتا تھا۔ قانونی مفروضہ یہ تھا کہ رقم مذکور اس مدت کے لئے قرض دار کی مجرمانہ غفلت کا معاوضہ ہے۔

نظریئے پر اثرات: "طفیلی منافعے" سے مسیحی مصلحین کا سمجھوتہ

اس طرح کے عملی نتائج کا اثر آخر کار اصول اور نظریات پر پڑ کر رہا۔ جو لوگ انسان اور دوسری اشیاء کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں، ان کے دماغ میں آہستہ آہستہ یہ سوال ضرور ابھرا ہو گا کہ کیا مسیحی فقہا کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ حرمتِ ربا کے سلسلے میں عملی زندگی کی اس روز افزوں مخالفت کا سرچشمہ صرف انسان کے دل کی قساوت اور خباثت ہے، وہ لوگ جنھوں نے کاروباری دنیا کی پیچیدگیوں پر ذرا گہرائی میں جا کر غور کیا ہو گا وہ اس نتیجے تک پہنچے ہوں گے۔

کہ نہ صرف یہ کہ عملی زندگی سود کو ترک نہیں کرے گی بلکہ اس کے لئے ایسا کرنا ممکن بھی نہیں، اور کیوں کہ سود قرضے کی روحِ رواں ہے اس لئے جس جگہ بھی قرضہ کسی معقول حد تک پایا جائے گا وہاں سود کو روکنا ناممکن ہوگا اور سود کو دبانا ادھار کے کاروبار کے ۹/۱۰ حصے کو دبانا ہوگا۔ مختصر یہ کہ انھوں نے یہ بات محسوس کی ہوگی کہ معیشت کے نیم ترقی یافتہ نظام میں سود ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ یہ ناگزیر تھا کہ عملی زندگی کے یہ مسلمہ حقائق (!) جنھیں عرصۂ دراز تک چھپایا اور دبایا گیا آخر کار ادبی حلقوں میں بھی طوعاً و کرہاً تسلیم کرلئے جائیں۔

اس صورتِ حال کے اثرات بہت مختلف قسم کے ہوئے، ایک فریق نظریاتی طور سے اس موقف پر جما رہا کہ سود ایک طفیلی قسم کا منافعہ ہے اور انصاف پسند لوگوں کی نظر میں اس بارے میں کوئی معذرت قابلِ قبول نہیں۔ تاہم چوں کہ انسان ناقص البنیان ہے اس لئے عملی طور پر انھوں نے اس سے مفاہمت کرلی اور اس کی ساری ذمہ داری مذکورہ انسانی نقص کے سر ڈال دی۔ معاشرے کے مثالی نظام کے نقطۂ نظر سے تو سود جیسی چیز کو کسی حال میں روا نہیں رکھا جاسکتا مگر کیوں کہ انسان خلقی طور سے ناقص ہے اس لئے سود کو آسانی سے جڑ سے اکھاڑ کر پھینکا بھی نہیں جاسکتا اس لئے بہتر یہی ہے کہ ایک خاص دائرے میں اس کی اجازت دے دی جائے۔ بعض عظیم ترین مسیحی مصلحین مثلاً زونگلی (ZWINGLI) کا یہی نقطۂ نظر رہا۔ لوتھر (LUTHER) شروع میں تو سود بیاج کا انتہائی مخالف تھا لیکن اخیر میں اس نے بھی اسی نقطۂ نظر کو اپنا لیا تھا۔ میلانکشٹن (MELANCHTHON) نے بھی بعض مزید پابندیوں کے ساتھ اسے گوارا کرلیا۔[1]

رائے عامہ اور بالواسطہ قانون کے ارتقاء پر بھی قدرتی طور سے اس امر کا گہرا اثر پڑا کہ اتنے بڑے اور با اثر لوگ اس معاملے میں رواداری سے کام لے رہے ہیں، لیکن کیوں کہ ان لوگوں کا طرزِ عمل اصولوں کے پیشِ نظر نہیں بلکہ سراسر مصلحت پسندی کے ذریعے متعین ہوا تھا اس لئے ان کے خیالات کی کوئی خاص اہمیت سود کے نظریئے

---

[1] ان عظیم عیسائی مصلحین یعنی لوتھر، کالون، زونگلی، میلانکشٹن کی زندگیوں کا یہ رخ قابلِ ماتم بھی ہے اور لائقِ عبرت بھی کہ انھوں نے بعض "مصلحت" کے پیشِ نظر "بنیادی اصولی مسائل" میں مفاہمت کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری سماجی زندگی مذہب کی گرفت سے نکل گئی۔ "اصول" میں سمجھوتہ کرنا ہمیشہ ایسے ہی تباہ کن اثرات کا باعث ہوتا ہے۔ مذہب کو غالب رکھنے کے لئے ہمیشہ اصولوں کو مصالح پر غالب رکھنا چاہئے۔ مترجم

کی تاریخ میں نہیں اور ہمیں ان کے بارے میں کوئی اظہارِ خیال نہیں کرنا ہے۔

حرمت کی براہِ راست مخالفت کی ابتداء

غور و فکر اور مشاہدہ کرنے والے دوسرے فریق نے بحث کو ذرا اور آگے بڑھایا۔ ان کا تجربہ انھیں رباء القرض کو ضروری سمجھنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے حرمت کی نظری بنیادوں کا دوبارہ جائزہ لینا شروع کیا۔ اور جب یہ دیکھا کہ یہ موضوع تحقیق و تفتیش کا متحمل نہیں تو انھوں نے مسیحی تعلیمات کی مخالفت میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس مخالفت کی بنیاد بعض اصولی خیالات پر رکھی گئی۔ یہ تحریک سولہویں صدی میں محسوس کی جانے لگی تھی، سترھویں صدی کے دوران اسے قوت حاصل ہوئی اور اسی صدی کے اواخر میں اس نے نمایاں طور پر ایسا عروج حاصل کر لیا کہ آنے والے چند سو سالوں میں اسے صرف بعض اکا دکا لکھنے والوں کے خلاف لڑنا پڑا جو اب تک مسیحی اصول کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں تو یہ حالت ہو گئی کہ اگر کوئی شخص اس مسیحی اصول کی تائید انھیں پرانی دلیلوں کے ذریعے کرنے کی کوشش کرتا تو اسے خبطی قرار دے کر اس کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنے کو عبث سمجھا جاتا تھا۔

اس نئے مدرسۂ فکر کے اولین جنگ آزما مسیحی مصلح کالون (CALVIN)[1] اور فرانسیسی قانون داں ڈمولین (DUMOULIN) معروف بہ کیرولس مولی نیس (CAROLUS MOLINAEUS) تھے۔

کالون بالاتر ہستی کی سند کو رد کر دیتا ہے اور عقلی دلیلوں کو قابل توجہ قرار نہیں دیتا تاہم سود کی علی الاطلاق اجازت بھی نہیں دیتا

مسئلۂ زیرِ بحث کے بارے میں کالون نے اپنے نقطۂ نظر کی تشریح ایک خط میں کی ہے جو اس نے اپنے دوست اکولام پے ڈیس (OEKOLAMPADIUS) کو لکھا تھا۔ اس خط میں اُس نے اس مسئلے پر بالاستیعاب تو بحث نہیں کی ہے تاہم باتیں بڑے فیصلہ کن انداز میں کی ہیں۔ ابتدا ہی میں وہ اس بات کو رد کر دیتا ہے کہ سود کی حرمت کو کسی بالاتر ہستی کی سند کی بناء پر تسلیم کیا جائے جیسا کہ اب تک عام طور پر ہوتا رہا ہے، پھر یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ کتابِ مقدس کی جن تحریروں کو حرمت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے ان میں سے بعض کا مفہوم قطعی مختلف ہے اور بعض عبارتیں حالات کی مکمل تبدیلی کی وجہ سے اس سلسلے میں پیش کی جا سکنے کی صلاحیت کھو چکی ہیں۔[2]

---

[1] اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ [2] بعینہ اسی طرح کی کوششیں مسلمانوں کے درمیان بھی ہو رہی ہیں۔ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانا تھا کہ تم ضرور یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چلو گے' او کما قال۔ اس پیش گوئی کی عبرت انگیز تعبیریں آج کل مسلم معاشرے میں ملتی ہیں۔ مترجم۔

بالاتر ہستی کی سند کی بنا پر جو ثبوت پیش کیا جاتا تھا اسے اس طرح مجروح کر دینے کے بعد کالون نے حرمت کی عقلی بنیادوں کی طرف توجہ کی۔ سب سے مضبوط دلیل یعنی یہ کہ روپیہ بانجھ ہے اس کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتی روپے کا معاملہ کھیت یا مکان سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مکان کی چھت اور دیواریں روپے کو جنم نہیں دے سکتیں۔ لیکن اگر مکان کی منفعت کا مبادلہ روپے سے کر لیا جائے تو مکان سے روپے کی شکل میں ایک جائز منافعہ حاصل کیا جا سکتا ہے، اسی طریقے سے روپے کو بھی بارآور بنایا جا سکتا ہے۔ جب روپیہ دے کر زمین خرید لی جائے تو یہ سوچنا بالکل بجا ہے کہ زمین کی سالانہ آمدنی کی شکل میں روپیہ روپے کی دوسری رقموں کو پیدا کر رہا ہے۔ جس روپے کو کام میں نہ لگایا جائے وہ یقیناً بانجھ ہے۔ لیکن قرض دار اسے یونہی بیکار نہیں پڑا رہنے دیتا۔ اس طرح قرض دار سود دے کر کسی دغا یا فریب کا شکار نہیں ہوتا، وہ اس رقم کی ادائیگی اس منافعے میں سے کرتا ہے جو اسے اس روپے سے حاصل ہوا ہے۔

کالون نے اس معاملے کو استدلال کی روشنی میں سمجھنا چاہا۔ مندرجہ ذیل مثال کے ذریعے وہ یہ دکھاتا ہے کہ اس نقطۂ نظر سے قرض خواہ سود کی رقم کا معقول بنیاد پر مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔

ایک مالدار آدمی جس کے پاس زمین اور عمومی آمدنی کا وافر حصہ موجود ہے مگر زرِ نقد اس کے پاس بہت کم مقدار میں ہے ایک ایسے شخص سے روپیہ قرض لینا چاہتا ہے جو اگرچہ اتنا مال دار تو نہیں مگر اتفاق سے زرِ نقد بہت رکھتا ہے۔ قرض دینے والا اس روپے سے خود زمین خرید سکتا تھا۔ وہ یہ بھی مطالبہ کر سکتا تھا کہ اس روپے سے خریدی ہوئی جائداد قرضے کی ادائیگی تک اس کے نام مکفول کر دی جائے۔ اب اگر ایسا کرنے کے بجائے وہ اپنے روپے کے پھل یعنی سود پر اکتفا کر لیتا ہے تو اس بارے میں اسے ہدفِ ملامت کیوں بنایا جائے جب کہ اس سے کہیں زیادہ سخت معاملے کو صحیح اور منصفانہ قرار دیا جا رہا ہے۔[1]

کالون بڑے زور شور سے یہ کہتا ہے کہ یہ خدا کو دھوکا دینے کی بڑی بچکانہ حرکتیں ہیں۔

کالون اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ سود کو عمومی طور پر اور علی الاطلاق بُرا قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن عمومی طور پر اس کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی۔ یہ اسی حد تک جائز کہا جا سکتا ہے جہاں تک وہ حسنِ معاملہ اور خیرات و

---

[1] یہ کہتے وقت کالون ملکیت کے قانونی، معاشی، سماجی اور نفسیاتی نتائج کو بالکل فراموش کر دیتا ہے۔ مترجم۔